مستقبل کی قوّت : اسلام یا مغرب؟

تحریر : نعیم احمد خان

بمضمونِ الفاظِ قرآنی :

﴿ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○ ﴾ (صٓ : ۷۱، ۷۲)

مادیت و روحانیت کے امتزاجی تسویتی و تخلیقی مراحل سے گزرتے ہوئے انسان کی اس کارزارِ حیات میں معاشرت پسند جبلت کے ساتھ نمود ہوئی۔ انسان میں ایک طرف جہاں مادیت و روحانیت (اور نتیجتاً اخلاقیت) کے مختلف پہلو پائے جاتے ہیں، وہیں انفرادیت و اجتماعیت کے متخالف پہلو بھی پائے جاتے ہیں۔ اور ان تمام پہلوؤں کی تشفی کے اپنے اپنے تقاضے ہیں، جن کی معروضی، آفاقی اور کامل مبنی بر حکمت تکمیل و تشفی کا مناسب بندوبست عصرِ حاضر کے انسان کا وہ سنگین مسئلہ ہے جس کا حل وہ خالق و مالک کائنات، اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نظام سے ہٹ کر خود تلاش کرنے کی کوششوں میں مسلسل خسارے اور گھاٹے کا شکار ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بالآخر انسان اپنے لئے کیا طرزِ حیات اور نظامِ زندگی اختیار کرے گا یا اختیار کرنے پر مجبور ہو گا؟ بہرحال جو طرزِ عمل بھی وہ اختیار کرے گا وہی مستقبل کا غالب نظامِ عالم ہو گا۔

وہ نظامِ حیات خواہ کوئی بھی ہو، یہ امر بہرحال طے شدہ ہے کہ مؤثر و مفید اور دیرپا ہونے کے لئے اسے انسان کے انفرادی یعنی اعتقادی و اخلاقی اور اجتماعی یعنی سیاسی سماجی اور اقتصادی (Politico-Socio-Economic) دونوں طرح کے داعیات کی اس طرح تشفی کے مناسب نظام پر مبنی ہونا پڑے گا کہ وہ انسان کے صرف مادی اور حیاتیاتی (Biological) پہلو ہی پر مرتکز نہ ہو بلکہ اس سے قدرے اہم ترین رجحان، روحانیت (اور نتیجتاً اخلاقیت) کی متناسب اور کامل تشفی بھی کر سکے۔ اور جو قوم بھی ایسے

© rasailojaraid.com

نظام کی حامل ہو گی وہی مستقبل میں اقوامِ عالم کی حکمران ہو گی۔

اسلام یا مغرب

اگرچہ دُنیا میں فی الوقت متعدد نظام ہائے زندگی پیش کئے جا رہے ہیں اور متعدد مذاہب فکر کے لوگ یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ان کے پاس عمدہ طرزِ حیات موجود ہے' تاہم بنظرِ غائر دیکھا جائے تو اب جزئی اختلافات سے ہٹ کر دُنیا میں دو ہی نظام ایسے ہیں جو مستقبل میں دُنیا کے حکمران بن سکتے ہیں۔ ایک طرف وہ نظریہ ہے جو دراصل متعدد عقلی و انسانی پیش کردہ نظریہ ہائے حیات کا ایک مجموعہ ہے' جس کی علمبردار سابقہ الہامی نظریہ حیات سے منحرف قوم یہود ہے' جسے اصطلاحاً مغربی نظام بھی کہا جا سکتا ہے' اور دوسری طرف وہ نظریہء حیات ہے جو الہامی (وحی پر مبنی) تعلیمات پر مشتمل ہے اور اسلام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ گویا فی الوقت دُنیا میں مغربی نظام اور اسلام ایسے نظام ہائے فکر و عمل ہیں جو مستقبل میں ہر خاص و عام کے لئے مؤثر اور مفید ہونے کے دعویدار ہیں۔ لیکن اس دعوے میں کونسا نظام فکری اور عملی طور پر کامیاب ہو گا؟ اس کا علم ان دونوں کے پس منظر کے حوالے سے نظریاتی و عملی تجزیئے اور واقعاتی شہادت سے ہی ہو سکتا ہے۔

مغربی نظام کا پس منظر

ہم جس تہذیب اور نظریہء حیات (بلکہ صحیح تر الفاظ میں نظریہ ہائے حیات) کو "مغربی نظام" کا جامع عنوان دے رہے ہیں یہ دراصل وحی پر مبنی نظریہ حیات سے فرار اور انحراف کا نتیجہ ہے' جس میں "مَغضُوبِ عَلَیہِم" اور "الضَّآلِّین" کا امتزاجی رجحان نمایاں ہے۔ اس تہذیب اور نظریہء حیات کا پس منظر بلاشبہ پانچویں صدی عیسوی کے واقعات تک میں تلاش کیا جا سکتا ہے لیکن اصلاً یہ قرونِ وسطیٰ (Middle Ages) کی نشأۃ ثانیہ (Renaissance) کی تحریک کی پیداوار ہے' جس کے نتیجے میں کلیسا کے مذہبی جبر و تشدد اور استبداد کے ردعمل کے طور پر مذہب سے بیزاری اور نتیجتاً خدا سے بیزاری کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ جس کے نتیجے میں حریت پرستی' عقلیت پرستی' انفرادیت پرستی اور انسانیت پرستی جیسے نظریات نے جنم لیا جو لادینیت (Secularism) پر منتج

© rasailojaraid.com

ہوئے، جس کے تحت انسانی زندگی کی دونوں سطحوں یعنی انفرادیت اور اجتماعیت کی ہم آہنگی اور یک رنگی کو مسترد کرتے ہوئے انہیں الگ الگ قرار دیا گیا کہ انفرادی سطح پر انسان کو بے قید آزادی حاصل رہے، جو چاہے کرتا پھرے اور جو عقیدہ چاہے رکھے۔ البتہ اجتماعی سطح پر بہرحال اسے قومی نظام کے اصول و ضوابط کی پابندی کرنا پڑے گی۔

روس کے حصے بخرے ہونے کے بعد جب امریکہ واحد سپرپاور کے طور پر سامنے آیا تو اس نے اس لادینیت (Secularism) کو "نیا عالمی نظام" (New World Order) بنانے کی بھرپور کوشش شروع کر دی، جسے یہودی عالمی نظام یا "جیو ورلڈ آرڈر" بھی کہا جا سکتا ہے، اس لئے کہ امریکہ کو فی الوقت یہودیوں کے آلۂ کار کی حیثیت حاصل ہے۔ یہود کی باقاعدہ تاریخ تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال قبل مسیح سے شروع ہوتی ہے۔ اس عرصہ میں ان پر عروج و زوال کے چار ادوار گزرے۔ کم و بیش پہلی تین صدیاں عروج کی، اس کے بعد تقریباً اتنا ہی عرصہ زوال کا، پھر کم و بیش تین ہی صدیاں عروج کے بعد اب اگرچہ وہ زوال میں ہی ہیں لیکن اپنی منزل، عظیم تر اسرائیل کے قیام کی طرف رواں ہیں۔

اسلام کا پس منظر

اسلام کسی خاص عرصۂ حیاتِ انسانی میں ظاہر نہیں ہوا بلکہ یہ انسان کی حیات کے آغاز کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ تخلیق آدم سے قبل اللہ تعالیٰ نے ارواحِ انسانیہ سے عالمِ ارواح میں اپنے خالق و مالک ہونے کا عہد لیا۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا (الاعراف: ۱۷۲)، جو عہدِ الست کہلاتا ہے، اور انسان کو خیر و شر اور بھلائی و برائی کی تمیز سے بہرہ مند فرما کر اس دنیا میں بھیجا۔ ساتھ ہی یہ اہتمام بھی فرما دیا کہ وقفے وقفے سے انسان کے اس "عہد" کی تذکیر بھی ہوتی رہے اور انسان کو اس کے عمرانی ارتقاء (Social Evolution) کے مطابق اس "عہد" کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اس کے مادی و روحانی (اور نتیجتاً اخلاقی) داعیات کی مناسبت سے مناسب احکامات بھی ملتے

© rasailojaraid.com

رہیں۔ اس مقدس فریضے کی ادائیگی کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو افراد چنے یا منتخب فرمائے وہ نبی اور رسول کہلائے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے مقدّس فرشتوں کی وساطت سے مختلف احکامات وحی کرتا' جو یہ انبیاء و رسل بلاکم و کاست فکری و عملی سطح پر لوگوں کو پہنچاتے رہے۔

انبیاء و رُسل کا یہ سلسلہ اوّل دن سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نہ صرف اس زمین پر پہلے انسان تھے بلکہ پہلے نبی بھی تھے۔ نبوت و رسالت کا یہ سلسلہ انسان کے عمرانی ارتقاء کے ساتھ ساتھ جاری رہا اور کوئی بھی قوم ایسی نہ رہی کہ جس میں ان انبیاء و رُسل میں سے کسی کی بعثت نہ ہوئی ہو۔ یہ سلسلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا اور انسانیت کو قیامِ قیامت تک کیلئے وہ ابدی ہدایت نامہ (قرآن مجید) مع ضروری توضیحات (حدیثِ رسولؐ) دے دیا گیا جس میں انسان کیلئے ہر گوشۂ زندگی کے متعلق راہنما اصول موجود ہیں۔ چونکہ انسان عمرانی ارتقاء کی انتہائی منازل کو پہنچ چکا تھا اور اس کے لئے اب مزید ارتقاء کا کوئی امکان نہ تھا۔ اس لئے اب یہ سلسلہ ختم ہوا۔ تاہم دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری موجودہ امت مسلمہ کو سونپ کر معنوی اعتبار سے یہ سلسلہ جاری رکھا گیا۔

مغربی تہذیب

انسان کی انفرادی سطح حیات میں مغربی نظام پوری آزادی اور مساوات کا قائل ہے اور لینن کے الفاظ میں "ان معنوں میں آزاد ہونے کا مطلب دوسروں کی کسی قسم کی مداخلت سے آزادی ہے"۔ یعنی جو بھی آدمی جو کچھ کرنا چاہے' جس طریقے سے کرنا چاہے اصولاً اُسے اس کے معاملے میں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے کہ تو نے فلاں کام کیوں کیا۔ جس کے باعث پوری توجہات خدا کی بجائے کائنات' روح کی بجائے مادہ اور حیاتِ اُخروی کی بجائے حیاتِ دُنیوی پر مرتکز ہو گئیں۔ جس کے نتیجے میں مغربی تہذیب بے قید آزادی' بے راہ روی اور اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو کر رہ گئی۔ نام نہاد مساوات کے دعوؤں کے باوجود نسلی امتیاز کی صورت حال یہ ہے کہ امریکہ کے ایک ممبر سینٹ کے مطابق :

"کسی سیاہ فام کے لئے جو اپنے دل میں سیاسی مساوات کی آرزو رکھتا ہے امریکہ کی جنوبی ریاستوں میں کاروبار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ بلاشبہ یہ ملک صرف سفید

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

فام کی مملکت ہے اور اسے اس کی ملکیت میں رہنا چاہیئے"۔[1]

اور معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ سفید اور سیاہ فام ایک عبادت خانے میں جمع نہیں ہو سکتے' ایک بس میں سوار نہیں ہو سکتے اور ایک ساتھ کھانا تو درکنار ایک ریستوران تک میں کھانا نہیں کھا سکتے۔ خاندانی نظام شدید بگاڑ کا شکار ہے' طلاق کی شرح روز افزوں بڑھ رہی ہے۔ اولاد والدین سے بیگانہ ہے اور والدین اولاد سے بے پروا۔ اس صورت حال کا اعتراف خود اہل مغرب بھی کرتے ہیں۔

لندن میں محفل میلاد منعقد کروانے والے ایک مغربی راہنما کے یہ الفاظ کہ "آج کا یورپی انسان اپنے اندر روحانی اور ثقافتی خلاء محسوس کرتا ہے' اس وجہ سے وہ اکثر بے چینیوں اور کرب و اضطراب کی الجھنوں میں اپنے آپ کو گرفتار محسوس کرتا ہے۔ اس روحانی اور ثقافتی خلاء کو پر کرنے کے لئے وہ مغرب سے مشرق کی طرف سفر کرتا ہے (تاکہ) کوئی ایسی تہذیب و ثقافت مل جائے جسے اپنا کر وہ اپنے اس روحانی اور ثقافتی بحران سے نجات حاصل کر سکے۔" اسی بات کی غمازی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود اہل مغرب میں قبولِ اسلام کا رجحان بڑھ رہا ہے۔

مغرب کا اجتماعی نظام

اجتماعی سطح پر مغرب میں متعدد معاشی و سیاسی نظام پیش ہوتے رہے ہیں۔ سیاسی سطح پر تو اب جمہوریت متفق علیہ ہے' جب کہ معاشی سطح پر اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام قابل ذکر حیثیت رکھتے ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام (CAPITALISM)

سادہ الفاظ میں سرمایہ دارانہ نظام سے مراد ایسا معاشی نظام ہے جس میں عام ذاتی برتنے کی اشیاء مثلاً مکان' لباس اور گھریلو ساز و سامان کے علاوہ ذرائع پیداوار مثلاً زمین' کارخانے' دکانیں' مختلف کاروباری ادارے اور ذرائع نقل و حمل وغیرہ بھی نجی یا ذاتی ملکیت ہوتے ہیں جن میں ہر ایک کو پوری طرح آزادانہ طور پر تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے۔ کوئی بھی فرد جس طرح چاہے انہیں استعمال کرے اور آزادانہ طور پر ذاتی نفع کی

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

خاطر مزید پیداوار حاصل کرے۔

اس نظام میں جو مبالغہ آمیز آزادی کا تصور دیا گیا ہے اس کے تحت پیدا ہونے والی خود غرضی کو محض نظام مقابلہ و مسابقت سے نہیں رد کا جا سکتا اور حقیقت یہ ہے کہ جب تک ایسے معاملات میں کوئی واضح قدغن نہ لگائی جائے محض اخلاق کوئی خاص مؤثر رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ چنانچہ جب یہ نظام عمل کی دُنیا میں جلوہ گر ہوا تو اجیر و مستاجر کی باہمی سنگدلانہ کشمکش کے ساتھ ہی دُنیا واضح طور پر دو طبقوں میں تقسیم ہو گئی اور امیر و غریب کا فرق بڑھتا گیا حتیٰ کہ اب صورت حال یہ ہے کہ اس نظام کے تحت دُنیا میں آج :

(۱) صرف ۳۵۸ افراد کے پاس ۴۵ فیصد عوام سے زائد دولت جمع ہو گئی ہے اور اس لسٹ میں سلطان آف برونائی اور آغا خان شامل نہیں ہیں۔

(۲) دُنیا کی ۱۵ فیصد آبادی کے پاس دُنیا کی ۸۵ فیصد دولت اور بقیہ ۸۵ فیصد آبادی کے پاس ۱۵ فیصد دولت ہے۔

© rasailojaraid.com

اسی آزادانہ معیشت کے تحت کاروباری حضرات انتہائی پُر مضرت اور مخرب اخلاق اشیاء خوشنما بنا کر فروخت کرتے ہیں اور محض دولت کی خاطر معاشرے کو بگاڑنے سے نہیں کتراتے۔ پھر ایوانِ اقتدار بھی یہی لوگ اپنی دولت کے زور پر گویا خرید لیتے ہیں۔ اسی نظام کا طرۂ امتیاز سود ہے جس کے ذریعے امیروں کی امارت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے اور غریبوں کی غربت کا گراف آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگا ہے۔ نیز معاشرے میں ہمدردی، رافت و رحمت اور تعاون کے جذبات مفقود ہیں اور صورتحال یہ ہے کہ ؎

از رہا جاں تیرہ دل چوں خشت و سنگ
آدمی درّندہ بے دندان و چنگ

اشتراکیت (COMMUNISM)

اشتراکیت دراصل سرمایہ دارانہ نظام کا ایک ردعمل تھا۔ سرمایہ دارانہ نظام میں پیداواری اور غیر پیداواری سب وسائل عوام کے پاس چلے جاتے ہیں جس کے باعث

© rasailojaraid.com

صرف چند ایک افراد جائز و ناجائز طریقے سے تمام وسائل پر قابض ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس ظالمانہ نظام کے رد عمل کے طور پر یہ سوچ پیدا ہوئی کہ کوئی ایسا نظام ہونا چاہیئے جس کے تحت دولت کی منصفانہ تقسیم ہو سکے۔ چنانچہ یہ سوچ بالآخر پیداواری اور قدرتی و غیرقدرتی اشیاء سرکاری تحویل میں دینے پر منتج ہوئی۔ یعنی اس نظام میں انسانوں کی ذاتی ملکیت کا تصور نہیں پایا جاتا' جس کے باعث معاشی دوڑ میں سعی و جہد کے محرک 'ذاتی نفع' کا متبادل فراہم کرنے کے ضمن میں اشتراکیت کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر ایسا ماحول بنا دیا جائے جہاں اجتماعی مفاد کو ترجیح دی جاتی ہو تو خود بخود عوام اجتماعی بھلائی پسند نقطۂ نظر کے حامل ہو جائیں گے۔

اگرچہ سرمایہ دارانہ نظام کے اصلاحی رد عمل کے طور پر اشتراکی نظام پیش کیا گیا مگر اس نے بھی کوئی خاص فائدہ نہ پہنچایا بلکہ کچھ اور ہی مشکلات پیدا کر دیں۔ اس نظام کے تحت انسان کے اندر ذاتی منافع کی تحریک ختم ہو گئی۔ اگرچہ اس کے جواب میں اجتماعی مفاد پسند ماحول تیار کرنے کا اصول پیش کیا گیا مگر وہ بری طرح ناکام ہو گیا' اور لوگوں میں معاشی جد و جہد کی تحریک پیدا نہ کی جا سکی جس کے باعث بدکرداری (Corruption)' بددیانتی' خیانت اور رشوت وغیرہ جیسی لعنتوں نے جنم لیا۔

اِس نظام کے تحت افراد کو گویا اجتماعیت کا خادم بنا دیا گیا۔ افراد کا کام محض اجتماعیت کی خدمت کرنا قرار پایا۔ اور یہ خدمت بھی اس اندھا دھند طریقے سے کہ انسان کی حیثیت ایک مشین کی سی رہ گئی۔ کہاں یہ نظریہ کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور کہاں یہ نظریہ کہ انسان کی کوئی حیثیت ہی نہیں' وہ تو محض ایک مشین ہے۔ اس نظام کا سب سے تاریک پہلو یہ ہے کہ یہ امن و امان کے بالکل خلاف ہر طرح کے تشدد پر ہر وقت آمادہ ہے۔ چنانچہ لینن نے ایک موقع پر پارٹی کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے انہیں ہدایت کی کہ :

"اگر ضرورت پیش آئے تو مزدور تنظیموں میں اپنا اثر و نفوذ قائم کرنے' ان میں گھسے رہنے اور ہر قیمت پر اشتراکی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لئے ہر قسم کے حربوں سے بلا تکلف کام لو۔ سازش' جوڑ توڑ' غیر قانونی ذرائع کا استعمال' دھوکہ وغیرہ سب سے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

پورا پورا فائدہ اٹھاؤ"۔ (۳)

ظاہر ہے جب تمام وسائل سرکاری تحویل میں لینے ہوں تو لوگوں کو محض وعظ و نصیحت سے تو آمادہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے تمام تر سرمائے سے' جو انہوں نے اپنی کوشش سے حاصل کیا ہے' فوری طور پر دستبردار ہو جائیں۔ چنانچہ اس نظام کی عملی تنفیذ کے لئے جس ظالمانہ طریقے سے لوگوں سے دولت چھیننے کی کارروائیاں کی گئیں' ناقابل تصور ہے۔ اندازوں کے مطابق اس سکیم کو عمل میں لانے کے لئے تقریباً ۱۹ لاکھ آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا' ۲۰ لاکھ آدمیوں کو مختلف قسم کی سزائیں دی گئیں اور چالیس پچاس لاکھ آدمیوں کو ملک چھوڑ کر دُنیا بھر میں تتر بتر ہونا پڑا"۔ (۴) یہی وجہ ہے کہ یہ نظام اب تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ صرف چین میں کچھ اصلاحات کے ساتھ اسے چلانے کی کوشش جاری ہے۔

© rasailojaraid.

اسلامی تہذیب

اسلام کے نزدیک خالق کائنات نے انسان کو خلیفۃ الارض بنا کر مادیت و روحانیت کے امتزاج کے ساتھ اس زمین پر بھیجا ہے اور ساری کائنات کو اس کے لئے مسخر کر دیا ہے تاکہ وہ ہر طرح سے اس خالق کائنات اللہ تعالیٰ کی بندگی و عبادت کر سکے' جو اس کا مقصد وجود ہے۔ چنانچہ اسلام کے نزدیک اس دُنیا کے علاوہ ایک اور دنیا' اُخروی دُنیا بھی ہے اور وہی حقیقی ہے۔ اس میں کامیابی اور ناکامی کا دارو مدار اسی دُنیا کی زندگی کے اعمال کے حوالے سے ہوگا۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی بندگی بجالائے گا وہ اس اُخروی دُنیا میں کامیاب و کامران ہوگا اور جو نافرمانی کرے گا وہ وہاں خائب و خاسر ہوگا۔ انسان کلیتاً آزاد بھی نہیں ہے کہ جو چاہے کرتا پھرے' اگرچہ اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے چاہے اچھائی کرے چاہے برائی۔ ان امور کی اطلاع کا ذریعہ الہامی تعلیمات ہیں جنہیں ماننے کی مجموعی صورت کو اعتقادات (یعنی ایمانیات) سے تعبیر کیا جاتا ہے' اور ان اعتقادات کو عمل میں ڈھالنے کے لئے اسلام میں ایک جامع نظامِ عبادات ہے' جس میں نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ پھر یہ اعتقادات و عبادات

© rasailojaraid.

اخلاقیات کے اظہار کا باعث بنتے ہیں جس کا اسلام میں ایک جامع نظام ہے جس میں اخوت و مساوات' ہمدردی' محبت و شفقت' رأفت و رحمت' ایثار و قربانی' حسنِ نیّت اور تقویٰ پر خصوصی زور دیا جاتا ہے۔ اسلام صرف روحانیت پر ہی زور نہیں دیتا کہ مادیت کو مسترد کر دے بلکہ روحانیت و مادیت دونوں کو ایک ہی کل کے دو پہلو سمجھتے ہوئے ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم قرار دیتا ہے' گو اس میں روحانیت کا پلا بھاری ہے۔ یوں اسلام ایک ایسا نظام تشکیل دیتا ہے جو ایک طرف مادیتِ محضہ کو مسترد کرتا ہے تو دوسری طرف روحانیتِ محضہ یا رہبانیت کو بھی مسترد کرتے ہوئے ان دونوں کو متوازن انداز میں فکری و عملی سطح پر ساتھ لے کر چلنے پر زور دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے اہل دین اہل دُنیا اور اہل دُنیا اہل دین بھی ہیں۔

مادیت و روحانیت کے حسین اور متناسب امتزاج پر مبنی یہ تہذیب اسی حوالے سے حقوق و فرائض اور مَردو زن کے تعلق کی بھی توضیح کرتی ہے۔ چنانچہ بڑوں کی عزت' چھوٹوں پر شفقت اور مردو زن کے مخصوص دائرہ کار کی تعیین کی طرح بہت سی ایسی تعلیمات اس تہذیب کا مجموعہ ہیں جن سے شرفِ انسانیت کو تقویت ملتی ہے اور انسان حقیقی معنوں میں دوسری کمتر مخلوقات سے افضل (اشرف المخلوقات) قرار پاتا ہے۔ پھر یہ کوئی تخیلاتی یا محض تصوراتی افکار نہیں ہیں' ابتدائے اسلام سے آج کے اس انحطاط پذیر دور تک کسی نہ کسی صورت میں ان اصولوں پر عمل ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ ان تعلیمات کی روشنی میں ایک ایسی تہذیب وقوع پذیر ہے جس میں اخوت و مروّت اور بھائی چارے کا یہ عالم ہے کہ اس حلقے میں آتے ہی نسلی' لسانی اور علاقائی بُعد کے بُت پاش پاش ہو جاتے ہیں اور ایسی شاندار مثال ملتی ہے جو تاریخ انسانی میں دو سگے بھائیوں کے مابین ڈھونڈنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو مہاجرین و انصار کے درمیان مواخاتِ مدینہ۔ ایثار و قربانی کا یہ عالم ہے کہ اپنی جان چلی جائے پروا نہیں' دوسرا مسلمان بھائی بچ جائے۔ اس کی مثال اس جنگ کے دوران ملتی ہے جس میں اسی جذبے کے پیشِ نظر تین مجاہدین اسلام نے اپنی اپنی جانیں قربان کر دیں۔ نسلی امتیاز کا ایسا خاتمہ کہ غلامِ حبشی تک سردار کہلانے لگے۔ ملاحظہ ہو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی عزت و تکریم۔ مساوات کا ایسا جامع نمونہ کہ چھوٹا ہو

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

یا بڑا، امیر ہو یا غریب، سیاہ فام ہو یا سفید فام، صاحب اختیار ہو یا عام رعیت، سب حقوق و فرائض اور قانونی اعتبار سے برابر ہیں، اور کوئی معیار فضیلت ہے تو وہ بلند اخلاق اور نیک سیرت ہے۔

معاشرتی سطح پر زندگی کی ضرورتوں اور کفالتوں میں جملہ نوعِ انسانی ایک برادری کی مانند ہے اور اس خاص دائرے میں زندہ رہنے اور پھلنے پھولنے کا حق سب کو ہے۔ جنسی جذبات کی تسکین کے لئے نظامِ نکاح کے تحت مناسب راستہ اختیار کیا گیا ہے اور خاندانی نظام کی مضبوطی کا ہر ممکن خیال رکھا گیا ہے۔ طلاق اگرچہ ممنوع نہیں لیکن ابغض الحلال قرار دی گئی ہے تاکہ خاندانی نظام اگر کم از کم حد تک تسلی بخش طور پر چل رہا ہے تو بلاوجہ چھوٹی چھوٹی باتوں یا محض لذت آفرینیوں کی خاطر خاندانی نظام کو نقصان نہ پہنچے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا خاندانی نظام پوری طرح مضبوط اور مستحکم ہے۔ چنانچہ "دی نیو بک آف ورلڈ رینکنگ" کی ایک رپورٹ کے مطابق شرح طلاق میں پاکستان ۱۰۲ ممالک کی فہرست میں بہت پیچھے ہے اور اس کا نمبر ۷۸ واں ہے، جہاں ایک ہزار جوڑوں میں سے صرف ۰.۳ کو طلاق ہوتی ہے۔ دُنیا میں سب سے کم طلاقیں زائرے، موزنبیق اور کشمیر میں ہوتی ہیں جہاں یہ شرح ۰.۱ سے صفر تک فی ہزار ہے۔[(۵)] اسی طرح مانع حمل ادویات کے استعمال، اسقاط حمل اور ناجائز تعلقات وغیرہ کی شرح مسلمان ممالک میں مطلوبہ گراف تک کم ہی پہنچتی ہے۔ علاقائیت، رنگ و نسل اور لسانی امتیازات سے یہ تہذیب بالکل مبرا ہے، کوئی مسلمان چاہے دُنیا کے کسی کونے میں رہتا ہو، کسی رنگ و نسل سے متعلق ہو اور کوئی زبان بولتا ہو حقوق و فرائض، عزت و تکریم اور شرفِ انسان کے اعتبار سے یکساں اہمیت رکھتا ہے۔ یہاں مختلف گروہ اور قبیلے کسی امتیاز کی علامت نہیں، بلکہ باہمی پہچان کا ایک ذریعہ ہیں۔ اس اعتبار سے یہ ایک ایسی مثالی تہذیب ہے جس میں تمام لوگ نہ صرف بغیر کسی فرق و امتیاز کے ہم رنگی و یک رنگی کے ساتھ مجتمع ہو سکتے ہیں بلکہ یکساں ترقی بھی کر سکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کا معاشی نظام

اسلام کے نزدیک دولت بذاتِ خود مطلوب و مقصود نہیں ہے بلکہ جہاں تک یہ دولت انسان کے فلسفہ حیات 'بندگیٔ رب برائے رضائے الٰہی نتیجتاً حصول جنت کے لئے ضروری ہے' اس حد تک اسلام دولت کو ضروری قرار دیتا ہے۔ پھر اگرچہ اسلام اجتماعیت کی اہمیت پر زور دیتا ہے 'لیکن یہ اجتماعیت کے غلبہ و اقتدار کو اسی حد تک درست سمجھتا ہے جس حد تک یہ فرد کے لئے مفید ثابت ہو۔ اس لئے کہ اصل اہمیت تو فرد کی ہے' بحیثیت ایک فرد کے اسے ہی جواب دہی کرنی ہے۔ چنانچہ اسلام کا پورا معاشی نظام انہی اصولوں پر مبنی ہے۔ یوں اسلام کے معاشی نظام کے مطابق افراد کو شخصی ملکیت اور اپنے مال میں تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہے' لیکن ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ (النساء : ۲۹) کے حکم کے ذریعے اس اختیار کی تحدید کی گئی ہے کہ اس اختیار کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ہر جائز و ناجائز ذریعہ اختیار کیا جائے اور اپنے فائدے کی خاطر دوسروں کو نقصان پہنچایا جائے۔ اسلام دولت کو جمع کرنے کی حوصلہ شکنی کرتا ہے ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (التوبہ : ۳۴) اور ضرورت سے زائد مال خرچ کرنے پر زور دیتا ہے ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ (البقرة : ۲۱۹) اور اگر دولت جمع ہو بھی جائے تو اس کے غیر منصفانہ طور پر سمٹ جانے کے متوقع امکان کو رفع کرنے کے لئے قانونی طور پر زکوٰۃ' عشر' قانون وراثت اور جنگ سے حاصل شدہ مال یعنی مال غنیمت وغیرہ کی تقسیم کے اصول کی صورت میں اور اخلاقی طور پر دوسروں کی عام مالی امداد کرنے اور قرض حسن (بلا سود قرض) کو بصورت مجبوری معاف کرنے کی صورت میں کچھ پابندیاں عائد کرتا ہے اور اس طریقے سے لوگوں کے ذہنوں میں باہمی امداد و تعاون' رافت و رحمت اور ہمدردی کے مثبت جذبات پیدا کئے جاتے ہیں۔ اسلام سود کو بدترین حرام قرار دے کر یہ فلسفہ پیش کرتا ہے کہ سودی کاروبار کرنے سے مال گھٹتا اور غیر سودی کاروبار سے مال بڑھتا ہے۔ ساتھ ہی جوا' سٹہ بازی'

© rasailojaraid.com

شراب اور دیگر ایسی سرگرمیوں کو ممنوع قرار دیتا ہے جن کا کوئی جسمانی، روحانی یا دماغی فائدہ نہیں ہوتا۔

اسلام کے معاشی نظام میں فرد اور اجتماعیت کو ان کا اصل مقام دیا گیا ہے، نہ فرد کو بے لگام چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ اجتماعیت کے لئے سوہانِ روح بن جائے اور نہ ہی اجتماعیت کو فرد کا آقا قرار دے کر اس کی انفرادی حیثیت کو ختم کیا گیا ہے۔ اگر ہزاروں لوگوں کے پاس کافی رقم موجود بھی ہوگی تو بھی دوسرے لوگ محروم نہیں ہوں گے، انہیں نان نفقہ وغیرہ کے لئے مناسب رقم میسر ہوگی۔ اور اصلاً سودی کاروبار نہ کرنے سے دولت کے بڑھنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ جب دولت سمٹ کر محض چند ہاتھوں میں رہ جاتی ہے تو اس سے صرف جمہور کی قوتِ خرید ہی کمزور نہیں ہوتی خود دولت مند ہاتھوں میں موجود دولت بھی بے مصرف ہو کر رہ جاتی ہے، جب کہ غیر سودی کاروبار سے نہ صرف دولت کے گردش میں رہنے سے جمہور کی قوتِ خرید برقرار رہتی ہے بلکہ دولت مندوں کی دولت بھی بے مصرف نہیں ہوتی۔

اسلام کا سیاسی نظام اور جمہوریت

اسلام کے نزدیک انسان اس زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ یا نائب ہے اور اس کا کام اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نظام کو چلانا ہے۔ انسان اپنی طرف سے کوئی بنیادی اصول وضع کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ انسان اگر خود سیاسی نظام کے بنیادی اصول وضع کرنے لگ جائیں تو جس طرح کے لوگ یہ نظام بنائیں گے انہی کے مفاد یا تجزیئے کے مطابق یہ نظام ہوگا اور سب کے لئے یکساں طور پر مفید اور مؤثر ثابت نہیں ہو سکے گا۔ چنانچہ اسلام کے سیاسی نظام کی بنیاد یہی اصول ہے کہ حاکمیت اعلیٰ کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان کے تمام تقاضوں کو پوری طرح مدنظر رکھتے ہوئے وہی ایک ہستی ہے جو بالکل درست اور صحیح حکم دے سکتی ہے۔ جب کہ مغربی جمہوریت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ انسان ہی حاکمیت اعلیٰ (Sovereignty) کا مالک و مختار اور ابراہام لنکن (Abraham Lincon) کی مشہور و معروف تعریف (Definition) کے مطابق :

© rasailojaraid.c

"*Democracy is the Government of the people for the people and by the people*"

اب ظاہر ہے انسان کو اس طرح کا حق دے دیا جائے تو وہ بیک وقت مجموعی انسانیت کی ضروریات' مزاج اور وقت و حالات کے تقاضوں کا لحاظ کیسے کر سکتا ہے کہ کوئی مناسب حکم جاری کر سکے!

اسلامی نظام سیاست میں قانون سازی قرآن مجید اور سنّتِ رسول ﷺ میں دیئے گئے احکامات کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ البتہ ان حدود میں رہتے ہوئے ہر طرح کے حالات کے پیش نظر بوقت ضرورت قانون سازی کرنے کی اجازت ہے۔ اس کے برعکس مغربی جمہوریت میں عوام کی اکثریت اپنے لئے جو اور جیسا قانون بنالے' اس میں کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں۔

© rasailojaraid.c

اسلامی نظام سیاست میں یہ لازم ہے کہ مجلس قانون ساز مخلوط قومیت پر مبنی نہ ہو بلکہ قانون سازی کے حساس معاملات صرف مسلمان ہی انجام دیں' اس لئے کہ اصلاً قانون سازی تو انہی کے نظریات اور اعتقادات کے تحت ہونی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس نظام حکومت میں غیر مسلموں کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ انہیں بھی انفرادی سطح پر اپنے اعتقادات و نظریات کے مطابق آزادی کے ساتھ رہنے کا مکمل تحفظ فراہم کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

اسلامی نظامِ سیاست کے مطابق نظام مملکت چلانے والے سربراہ کے لئے تمام مسلمان باہمی مشورے سے اپنے میں سے سب سے زیادہ نیک اور دنیوی معاملات میں مہارت رکھنے والے فرد کا انتخاب کریں گے اور اس میں بھی صائب الرائے حضرات کو زیادہ اہمیت حاصل ہوگی' جب کہ مغربی جمہوریت میں اس طرح کا کوئی اصول نہیں' عوام اپنی مرضی سے جسے چاہیں منتخب کرلیں' چاہے وہ کوئی غنڈہ یا بدمعاش ہو یا کوئی بڑا مجرم' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

گویا مغربی جمہوریت اپنے موجودہ اصولوں کے تحت تمام انسانیت کے لئے یکساں

© rasailojaraid.c

طور پر مؤثر و مفید ثابت نہیں ہو سکتی' البتہ اگر اس میں اسلامی نظام سیاست کے مذکورہ اصولوں کو شامل کرتے ہوئے اس کے منفی اور شر انگیز اصولوں کو خارج کر دیا جائے تو یہ ایک اچھا سیاسی نظام بن سکتی ہے اور اسلام میں بھی ایسے نظام کی گنجائش موجود ہے۔

نوعِ انسانی کا فکری سفر

بعض اوقات ظاہری حالات و واقعات کسی واقعہ کے رونما ہونے کے ضمن میں بالکل مختلف ہوتے ہیں لیکن بالآخر اندرونی حالات کے تحت جس واقعہ نے مشیت ایزدی کے مطابق رونما ہونا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ

خواجہ ز سروری گذشت   بندہ ز چاکری گذشت
زاری و قیصری گذشت   دورِ سکندری گذشت
شیوۂ بت گری گذشت   مے نگریم و مے رویم!

اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ظاہری اعداد و شمار کے نتیجے میں یاسیت و نومیدی کی بجائے دقت نظر سے حالات جائزہ لیں۔ تاریخ انسانی کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ جب سے انسان نے الہامی تعلیمات سے ہٹ کر محض عقلی بنیادوں پر نظام حیات مرتب کرنے کی کوشش کی اُسے اس تجربے کے ہر موڑ پر بری طرح ناکامی کا سامنا کرنا پڑا' لیکن یہ حقیقت بہر صورت ماننی پڑتی ہے کہ اس نے اس شکست سے حقیقت کی طرف ضرور قدم آگے بڑھایا۔ اسی سفر کا نتیجہ ہے کہ متعدد نظریہ ہائے حیات ابھرتے اور مسترد ہوتے گئے اور اب نوعِ انسانی اس مقام تک پہنچ چکی ہے کہ اس کے پاس حقیقتاً دو ہی نظام باقی رہ گئے ہیں' ایک اسلام اور دوسرا سیکولرزم یا مغربی نظام۔ تاحال اگرچہ سیکولرزم پوری قوت اور تمام تر ہتھکنڈوں کے ساتھ اسلام کو مٹانے کی فکر میں ہے اور اس حد تک اُسے کامیابی بھی حاصل ہے کہ اس نے بہت سے مسلمانوں کو تہذیبی غلامی کا طوق پہنا دیا ہے اور وہ پوری قوت کے ساتھ دُنیا کو اسلام کی برکات کی طرف متوجہ ہونے سے روک رہا ہے' لیکن یہ تمام تر کوششیں دراصل اس کے اپنے پیش کردہ اصولوں ہی کی بھینٹ چڑھ جائیں گی۔ مغرب کی بے قید آزادی کے نتیجے میں ہی وہاں کی نئی نسلیں اسلام کو سمجھنے لگی ہیں یعنی اسلام کی طرف ان کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ اظہارِ رائے کی آزادی سے مسلمان

© rasailojaraid.c

فائدہ اٹھاتے ہوئے تبلیغ دین کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ عصر حاضر میں خاص طور پر سائنسی ترقی کے باعث کمپیوٹر کی ایجاد سے فکری و نظری طور پر اسلام کی روشن اور کامل تعلیمات کو سمجھنے کی رکاوٹیں مزید کم ہو گئی ہیں۔ فی الوقت اگر اس میں کوئی رکاوٹ ہے تو وہ خود امت مسلمہ ہے۔ ایک طرف امت مسلمہ کی نگاہیں کافی حد تک مغربی تہذیب کی چکاچوند سے خیرہ نظر آتی ہیں تو دوسری طرف مثبت طور پر خود ان کے ہاں وہ نظام عدل اجتماعی جس کے وہ امین اور علمبردار ہیں، کہیں عملی صورت میں جلوہ گر نظر نہیں آتا کہ اس کی برکات کا عملی مشاہدہ کرتے ہوئے لوگ کھنچے چلے آئیں۔ تاہم یہ بات خوش آئند ہے کہ عالم اسلام میں وسیع پیمانے پر احیائی تحریکیں احیائے اسلام کی جدّوجُہد میں اپنے اپنے انداز میں مصروف ہیں۔

مسلمانوں میں احیائی تحریک

© rasailojaraid.c

یہ تحریکیں اگرچہ خود وقت اور حالات کے سیلِ رواں کے سامنے قدم جمانے میں پوری طرح کامیاب نہیں لیکن اس احیائی عمل کو تیز تر کرنے اور اُمّتِ مسلمہ میں بحیثیتِ مجموعی بیداری کی لہر پیدا کرنے میں بہرحال کامیاب ہیں۔

مسلمانانِ عالم کے لئے پیغام امید اور پاکستانیوں کے لئے لمحہ فکریہ

مغرب کی اسلام کی طرف بھرپور رغبت و توجہ اور خود مسلمانوں میں احیائی عمل کی لہر وہ خارجی عوامل ہیں جن کے باعث مذہبی وابستگی سے ہٹ کر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ آنے والا دور احیائے اسلام کا دور ہو گا۔ لیکن مسلمانانِ عالم کے لئے خاص طور پر امید افزا ہی نہیں یقینی پیغامِ سعادت ان دو مظاہر سے بھی بڑھ کر قرآن و حدیث نے دیا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ :

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ (الصف : ٨)

"یہ لوگ اپنے مُنہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے نور کو پوری طرح پھیلا کر رہے گا خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو"۔

© rasailojaraid.c

اور فرمایا:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ﴾ (النُّور: ۵۵)

"اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے' اور ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی (موجودہ) حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا"۔

اور حدیث نبویؐ میں ہے کہ:

((لَا يَبْقٰى عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِيْزٍ اَوْ ذُلِّ ذَلِيْلٍ ' اِمَّا يُعِزُّهُمُ اللّٰهُ فَيَجْعَلُهُمْ مِنْ اَهْلِهَا ' اَوْ يُذِلُّهُمْ فَيَدِيْنُوْنَ لَهَا)) (مسند احمد)

"روئے ارضی پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر رہے گا نہ کمبلوں کا بنا ہوا خیمہ جس میں اللہ اسلام کو داخل نہیں کر دے گا' خواہ عزت والے کے اعزاز کے ساتھ خواہ کسی مغلوب کی مغلوبیت کی صورت میں۔ یعنی یا لوگ اسلام قبول کر کے خود بھی عزت کے مستحق بن جائیں گے یا اسلام کی بالادستی تسلیم کر کے اس کی تابعداری قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں گے!"

چنانچہ احادیث مبارکہ کے مطابق آدم و ابلیس سے شروع ہونے والے اس معرکہ خیر و شر میں آخری معرکہ الملحمة العظمٰی (Armageddon) ہو گا' جس میں شر کی طرف سے ابلیس اپنی ذُریتِ صُلبی و معنوی (خصوصاً یہود) کے ساتھ نمودار ہو گا اور اس کی مد المسیح الدَّجال کرے گا۔ اور خیر کی طرف سے مہدی موعود صف آراء ہوں گے جن کی مدد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کریں گے اور زمینی مدد مشرق سے خراسان (پاکستانیوں کے لئے لمحہ فکریہ کہ اس میں ان کا کچھ علاقہ بھی شامل ہے) سے فوجوں کی صورت میں

© rasailojaraid.com

ہو گی۔ اس میں خیر کی فتح کے ساتھ ہی اسلام پورے کرۂ ارضی پر غالب آ جائے گا۔ جو لوگ اسلام کی طرف رغبت رکھتے ہیں انہیں "بعزِ عزیزٍ" کی سعادت نصیب ہو گی اور جو "نیو ورلڈ آرڈر" کے خواب دیکھ رہے ہیں، نیست و نابود ہو جائیں گے یا "ذُلِّ ذلیلٍ" کی عملی تصویر بن جائیں گے ؎

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دُنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے!
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے!!

حواشی

(۱) ترجمان القرآن، جلد ۵۱

(۲) ہفت روزہ "زندگی" لاہور، ۷ امئی ۹۷ء

(۳) اسلام یا سوشلزم، از پروفیسر خورشید احمد

(۴) اسلام اور جدید معاشی نظریات، از مولانا مودودی

(۵) ندائے خلافت، جولائی ۹۶ء

عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

"تم میں بہترین وہ ہے جس نے خود قرآن سیکھا اور اسے دوسروں کو سکھایا"

© rasailojaraid.com